مجلس ادارت

ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا	ڈائرکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی
ڈاکٹر احمد حسن	ریڈر ادارہ تحقیقات اسلامی

— اس شمارے کے شرکاء —

قاضی جاوید حسین	کشمیری محلہ وسن پورہ، لاہور
ناصر زیدی	
ڈاکٹر محمد ریاض	استاذ فارسی فیڈرل گورنمنٹ کالج اسلام آباد
ڈاکٹر علی رضا نقوی	ریڈر ادارہ تحقیقات اسلامی
ممتاز لیاقت	سرکولیشن منیجر ادارہ تحقیقات اسلامی
محمد ایوب شاهد	شعبہ اردو، اورئینٹل کالج، لاہور
آغا حسین همدانی	استاذ تاریخ، گورنمنٹ کالج، گوجر خان
ڈاکٹر احمد حسن	ریڈر ادارہ تحقیقات اسلامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

علامہ اقبال اس صدی کے عظیم شاعر اور فلسفی تھے ۔ انھوں نے مسلمانوں کو بیدار اور آمادۂ عمل کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ۔ انھوں نے اپنی شاعری کو گل و بلبل اور حسن و عشق کی آلودگی سے منزہ کرکے جاندار افکار کی پیغام رسانی کا ذریعہ بنایا ۔ اقبال کے شاعرانہ پیغام میں ہمیں جو بنیادی تصورات ملتے ہیں وہ عزم و ہمت عمل پیہم یقین محکم فقر و قلندری اور خودی کی بیداری سے مرکب ہیں ۔ یہ تصورات ہماری اس یاس انگیز شاعری کا نقیض ہیں جو غم و اندوہ، تقدیر پرستی اور بے ثباتی دنیا کے تصورات کی علمبردار اور کسی اجتماعی نصب العین کی لگن سے خالی تھی ۔ ہماری قدیم اردو اور فارسی شاعری میں جماعت اور ملت کی اہمیت کا کوئی اشارہ نہیں ملتا ۔ اس کے برعکس اقبال نے جماعت اور ملت کے تصور کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کیا ۔ بے شک وہ بلند پایہ اور پرعزم افراد کی اہمیت کے بھی معترف ہیں لیکن یہ افراد وہی ہیں جو ملی اور اجتماعی نصب العین کے لئے کام کرتے ہیں ۔ مثلاً مرد فقیر ہی کو لے لیجئے ۔ اقبال کہتے ہیں : ۔

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولی
ہو جسکی فقیری میں بوئے اسد اللھی

یہاں فقیری سے مراد محض بے زری نہیں بلکہ نصب العین کی بلندی اور اجتماعی

مفادات کی پاسبانی بھی ہے ۔ مرد فقیر وہ ہے جو اپنے اور اپنے خاندان یا قبیلہ کے لئے مال و دولت جمع نہیں کرتا بلکہ ملت اور اجتماع کی بھلائی کے لئے سر گرداں رہتا ہے ۔ اسی طرح خودی کا فلسفہ انفرادیت اور خود پسندی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ خودی سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اپنی جماعت اور ملت کی عظمت کا احساس ہو اور وہ اس کے مستقبل کو سنوارنے کی فکر میں لگا رہے ۔ اسی طرح یقین محکم اور عمل پیہم سے یہ مراد لینا غلط ہوگا کہ اقبال فرد کو اپنے ذاتی اور شخصی مفادات کے لئے عمل کی ترغیب اور یقین پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہیں ۔ اس کے برعکس درحقیقت ان دونوں تصورات کا تعلق بھی ملت اور اجتماع کی سر بلندی سے ہے ۔ یقین کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنی قوم و ملت کے مستقبل پر یقین ہو اور وہ اس مستقبل کے حصول کے لئے پیہم عملی جد و جہد کرے ۔ غرض کہ اقبال کی شاعری کے کسی بنیادی تصور کو جماعت کی فلاح و کامرانی سے الگ نہیں کیا جا سکتا ۔ وہ صاف الفاظ میں کہتے ہیں ۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اقبال کا مرد قلندر ہو یا مرد مومن، مرد فقیر ہو یا مرد حر ہر ایک اجتماعی مفاد کا خادم اور ملی عظمت کا نگہبان ہے ۔

افسوس کہ اقبال کے پیغام کا یہ پہلو ابھی تک مطلوبہ اثرات نہیں پیدا کر سکا ۔ ہمارے اندر انفرادی خود غرضی اور ذاتی مفاد پرستی کی جڑیں ابھی تک بہت گہری ہیں ۔ ہر شعبہ زندگی میں لوگ اپنے اپنے ذاتی مفادات کی

پرستش میں مصروف ہیں اور قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کا ان کی نظر میں کوئی مقام نہیں ہے ۔ جب تک یہ صورت حال قائم رہے گی ہماری قومی اور ملی فلاح کی منزل دور رہے گی۔

اقبال کی شاعری کا ایک اور نمایاں پہلو اس کا فلسفہ قوت ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ قوت پیدا کرو کیونکہ جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات ہے ۔

اسرار خودی میں وہ فرماتے ہیں :-

باتوانائی صداقت توام است   گر خود آگاہی ہمیں جام جم است
زندگی کشت است و حاصل قوت است   شرح رمز حق وباطل قوت است
مدعی گر مایہ دار از قوت است   دعوی او بے نیاز از حجت است
باطل از قوت پذیرد شان حق   خویش را حق داند از بطلان حق

یہ تعلیم قرآنی ہدایات کے عین مطابق ہے کیونکہ قرآن ارشاد فرماتا ہے واعدوا لهم مااستعطم من قوة و من رباط الخیل ۔ لیکن جس طرح قرآن کا مخاطب فرد نہیں بلکہ جماعت ہے یعنی قرآن اجتماعی قوت پیدا کرنے کی تلقین کرتا ہے اسی طرح اقبال یہ کا مطلب نہیں کہ افراد اپنے اندر قوت پیدا کر کے کمزوروں پر ظلم ڈھائیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ قوم و ملت کو من حیث المجموع قوی اور طاقتور ہونا چاہئے کیونکہ کمزور قومیں مصاف ہستی میں شکست کھا جاتی ہیں ۔ ایک کمزور قوم کا کوئی فرد خواہ وہ کیسا ہی عظیم المرتبت ہو اقوام عالم کی برادری میں اپنا صحیح مقام حاصل نہیں کر سکتا ۔ جبکہ ایک طاقتور اور عظیم قوم کا ایک معمولی فرد بھی دوسری قوموں میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ درحقیقت فرد کی عزت قوم کی عزت سے ہے نہ کہ اس کے

بر عکس اس لئے ہماری تمام صلاحیتیں قومی اور ملی عظمت و طاقت کے حصول میں صرف ہونی چاہیں ۔

اقبال کے شاعرانہ افکار کا ایک بڑا نمایاں پہلو اس کے کلام میں عشق و عقل کی آویزش ہے جس سے بظاہر یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اقبال عقل کی اہمیت کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ ایک حد تک اس کا استخفاف کرتے ہیں ۔ مثلاً اقبال کا ایک شعر ہے : ۔

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبریل نے جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

اس شعر اور ایسے ہی بعض دیگر اشعار میں اقبال نے عقل کے مرتبہ کو ایک حد تک گھٹا کر بیان کیا ہے ۔ مگر اقبال نے بعض دوسرے اشعار میں عقل کی اہمیت کو پوری طرح تسلیم کیا ہے ۔ مثلاً وہ کہتے ہیں : ۔

غریباں را زیرکی ساز حیات شرقیاں را عشق راز کائنات
زیرکی از عشق گردد حق شناس کار عشق از زیرکی محکم اساس
عشق چوں با زیرکی ہمبر شود نقشبند عالم دیگر شود
خیز و نقش عالم دیگر بنہ عشق را با زیرکی آمیزدہ

دراصل عقل کے مقابلے میں اقبال عشق کو اولیت دیتے ہیں مگر وہ ان دونوں کے تضاد کو تسلیم نہیں کرتے ۔ جیسا کہ حسب ذیل شعر سے معلوم ہوگا ۔

زمانہ ہیچ نداند حقیقت او را جنوں قیاست کہ سوزوں بقامت خرد است

در حقیقت زندگی میں عقل کا مرتبہ بہت بلند ہے ۔ عقل کے بغیر زندگی کی گاڑی ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی ۔ جو لوگ عقل اور عقلیت کے مخالف ہیں وہ